8

جماعتی اخبارات ورسائل کی خریداری اور تبلیغ کے متعلق ہدایات

(فرمودہ 15 مارچ 1946ء بمقام ناصر آباد سندھ)

تشہد، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"جس طرح تیل اپنے اندر جلنے کی طاقت رکھتا ہے لیکن جب تک اسے دِیا سلائی نہ لگائی جائے وہ جل نہیں سکتا اسی طرح انسانی طبیعت ایسی واقع ہوئی ہے کہ جب تک اس کے لئے بیداری اور ہوشیاری کے سامان پیدا نہ ہوں اس وقت تک وہ بیداری کی طرف مائل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مسلمانوں کے لئے بیداری کا ایک ذریعہ بیان فرمایا ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا [1] یعنی اے مسلمانو! تم سارے کے سارے مضبوطی سے اللہ تعالیٰ کی رسّی کو پکڑو اور اس اعتصام کی وجہ سے تمہارے اندر ایک بیداری رہے گی۔ اور اس بیداری کی وجہ سے تمہارے اندر ایک نور پیدا ہو گا جس سے تم خدا تعالیٰ کو دیکھ لوگے۔ انسان خدا تعالیٰ کو اس کی صفات اور اس کے کاموں سے دیکھتا ہے۔ جب انسان خدا تعالیٰ کے رسّے پر مضبوطی کے ساتھ ہاتھ ڈالتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں سے خواہ دینی ہوں یا دنیوی پورے طور پر فائدہ اٹھاتا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں۔ خدا تعالیٰ کی رسّی وہ رسّی نہیں جو بان سے بٹی جاتی ہے بلکہ خدا کی رسّی وہ نظام ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء اور ماموروں کے ذریعہ دنیا میں قائم کرتا ہے۔ جب لوگ اپنے آپ کو اس نظام سے منسلک کر لیتے ہیں تو ان میں

بیداری اور ہوشیاری پیدا ہو جاتی ہے۔ پس اس حَبْلُ اللّٰہ سے مراد یہ ہے کہ ہم جہاں بھی ہوں اپنے نظام سے پختہ تعلق رکھیں اور اس کی ہدایات پر عمل پیرا ہوں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے رسے کو پکڑنے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ سارے کے سارے مسلمان گھربار چھوڑ کر ایک مرکز میں آبیٹھیں اور خلیفہ وقت کے ساتھ ہی نمازیں پڑھیں۔ یہ بات ناممکن ہے۔ سب سے بڑی مثال اس اعتصام کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی ہے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دس پندرہ ہزار مسلمان مدینہ میں رہتے تھے۔ حالانکہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ سے اوپر گزر چکی تھی۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اکثر صحابی ایسے تھے جو مختلف علاقوں سے آئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل مبارک دیکھی، آپ کے منہ سے باتیں سنیں اور چند دن رہ کر اپنے وطن کو واپس چلے گئے۔ اور ایسے اشخاص بہت کم تھے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھنے کا نام نہ لیتے ہوں اور رات دن آپ کی مجلس میں حاضر رہتے ہوں۔ مدینے کے تمام لوگ ایسے نہ تھے کہ وہ تمام نمازیں آپ کے ساتھ ادا کرتے ہوں بلکہ لوگوں کی کثرت کی وجہ سے بعض اَور مساجد بھی تعمیر کی گئی تھیں جن میں لوگ نمازیں ادا کرتے تھے۔ سب سے بڑی فوج جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر تیار کی وہ دس ہزار تھی۔ اسی طرح غزوہ تبوک کے موقع پر بھی فوج کی تعداد دس ہزار تھی۔ اس لحاظ سے سمجھا جا سکتا ہے کہ مدینہ کی آبادی چالیس پچاس ہزار کے درمیان ہو گی۔ لیکن یہ تمام فوج مدینہ کی ہی نہ تھی بلکہ آپ نے اردگرد کے علاقوں سے بھی فوج کے لئے آدمی جمع کئے تھے۔ بہرحال تمام مسلمان مدینہ میں ہی جمع نہیں ہو گئے تھے بلکہ اپنے اپنے وطنوں میں تبلیغِ اسلام کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم ایسا نہیں کہ جب کوئی مامور یا خلیفہ آئے تو اس کے ماننے والے سب کے سب اپنے وطنوں کو چھوڑ کر وہاں جمع ہو جائیں اور دن رات اس کی مجلس میں بیٹھے رہیں اور اس کی باتیں سنتے رہیں۔ بلکہ ہمیشہ لوگ اپنی اپنی جگہوں پر رہتے ہیں اور ان میں سے کچھ لوگ آتے ہیں اور مرکز سے دین کی باتیں سیکھ کر واپس جاتے ہیں اور اس آواز کو بلند کرتے ہیں جو مرکز سے اٹھائی گئی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ [2] کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو الٰہی دین کے لئے اپنی زندگیاں وقف کرے اور مرکز سے دین سیکھ کر آئے اور واپس آ کر اپنے لوگوں کو

دین سکھائے اور یہ لوگ قائم مقام ہوں گے اس مامور یا خلیفہ کے جس تک ان کا پہنچنا مشکل ہے۔ جیسے لوگ کہتے ہیں کہ خط سے نصف ملاقات ہو جاتی ہے۔ اگر ایک خط سے نصف ملاقات ہو جاتی ہے تو ایک شاگرد جو اپنے خلیفہ کے منہ سے باتیں سن کر آئے اور واپس آکر دوسرے لوگوں کو سنائے وہ بہر حال نصف ملاقات سے زیادہ ملاقات ہو گی۔ صحابہؓ کے متعلق ہم پڑھتے ہیں کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتے، مسائل پوچھتے اور واپس جا کر اپنی قوم کو وہ مسائل بتاتے اور اپنی قوم میں وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہوتے تھے۔

ایک ذریعہ تو اعتصام کا یہ ہے اور ایک اَور ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں ہمارے لئے بنا دیا ہے۔ وہ پریس ہے۔ اخبار ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ اخباری حالات اور مذہبی خیالات کا لوگوں تک پہنچانا بہت آسان ہو گیا ہے۔ خط تو کبھی کبھی آتے ہیں لیکن اخبار روزانہ آتے ہیں۔ خط میں مضمون بھی تھوڑا ہوتا ہے لیکن اخباروں اور رسالوں میں مضامین بہت تفصیل کے ساتھ شائع ہوتے ہیں اور ہر شخص نصف ملاقات سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اس طرح وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا پر عمل کر سکتا ہے۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ اکثر جماعتیں سلسلہ کا اخبار "الفضل" منگوانے میں کوتاہی سے کام لیتی ہیں اور اس کی اہمیت کو پورے طور پر نہیں سمجھتیں۔ سندھ کی باقی جماعتوں کے متعلق تو مَیں یقینی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ ان کے ہاں "الفضل" کا پرچہ آتا ہے یا نہیں، ناصر آباد کے متعلق مجھے معلوم ہے کہ یہاں الفضل کا پرچہ آتا ہے اور جب ہمارا پرچہ لیٹ ہو جاتا ہے تو ہم وہ پرچہ منگوا کر پڑھ لیتے ہیں۔ پس میرے نزدیک یہ بہت ضروری بات ہے کہ ہر جماعت کم از کم الفضل کا ایک پرچہ ضرور منگوائے تا کہ ان کو جماعت کے نئے نئے مسائل کے متعلق علم ہوتا رہے اور مرکز کے احکام ان تک پہنچتے رہیں۔ اسی طرح سلسلہ کے بعض رسائل ایسے ہیں جو ہفتہ واری ہیں اور بعض ایسے ہیں جو ماہوار ہیں۔ ان ماہوار رسالوں میں سے ایک رسالہ ریویو آف ریلیجنز ہے۔ جس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ خواہش تھی کہ اس کے کم از کم دس ہزار خریدار ہو جائیں لیکن مجھے تعجب آتا ہے کہ جماعت نے اس کی طرف سے بالکل توجہ ہٹالی ہے اور اس کی اشاعت بہت محدود ہوتی جارہی ہے۔ اگر جماعت کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس خواہش کا

کوئی احساس ہو تو دس ہزار خریدار کوئی مشکل چیز نہیں۔ جب ہمارے اخبار الفضل کا خطبہ نمبر 3800 چھپتا ہے اور روزانہ 2900 چھپتا ہے تو یہ کوئی مشکل امر نہیں کہ ایک ماہوار رسالہ کے دس ہزار خریدار نہ مل سکیں۔ اس رسالہ کا اتنی تھوڑی تعداد میں شائع ہونا اس بات کی علامت ہے کہ جماعت نے اپنی ذمہ داری کو پورے طور پر نہیں سمجھا۔

پنجاب میں ہماری جماعت کی تعداد چار پانچ لاکھ کے قریب ہے اور سارے ہندوستان میں چھ سات لاکھ کے قریب ہے۔ اگر پانچ آدمی فی کنبہ سمجھ لئے جائیں تو قریباً ایک لاکھ خاندان بنتا ہے۔ اور اگر فی خاندان ایک مرد شمار کریں تو پانچ لاکھ مرد ہماری جماعت کے ہندوستان میں ہوں گے۔ اور اگر یہ سمجھا جائے کہ لاکھ مردوں میں سے چالیس فیصدی یا تیس فیصدی یا کم از کم بیس فیصدی ایسے ہیں جو اخبار پڑھ سکتے ہیں تو بیس ہزار آدمی ایسے ہوں گے جو اخبار پڑھ سکتے ہیں۔ حالانکہ ہماری تعلیمی اوسط اس سے بہت زیادہ ہے۔ اور اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ بیس ہزار میں سے دس ہزار آدمی ایسے ہیں جو اس رسالہ کے خریدنے کے ناقابل ہیں تو پھر بھی دس ہزار آدمی ایسے باقی رہ جاتے ہیں جو یہ رسالہ خرید سکتے ہیں۔ اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اس دس ہزار میں سے بھی صرف پانچ ہزار آدمی ایسا ہے جو اس رسالہ کو خرید سکتا ہے اور اگر جماعت کے دوست کوشش کرتے تو پانچ ہزار خریدار غیر احمدیوں میں سے بنا سکتے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ جماعت نے اپنی ذمہ داری اس معاملہ میں سمجھی ہی نہیں۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ جُوں جُوں جماعت کے اخبارات اور رسائل زیادہ ہوتے جا رہے ہیں لوگوں کی توجہ ان کی طرف سے کم ہوتی جا رہی ہے حالانکہ وہ اخبارات اور رسائل جماعت کے دوستوں کے لئے اعتصام کا ایک ذریعہ ہیں اور دینی علم میں زیادتی کا باعث ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جتنا شور ابتداء میں کسی تعلیم کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے وہ بعد میں نہیں رہتا ہے۔ سب سے پہلے جب رسول کریم ﷺ نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہا تو کفار نے اسے بہت اچنبھا سمجھا اور بہت شور مچایا حالانکہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ قرآن کریم کی ایک سطر کے برابر ہے۔ پھر اس کے بعد سورۂ بقرہ پر اِتنا شور نہیں پڑا جتنا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے اعلان پر پڑا تھا۔ سورہ بقرہ اڑھائی پارے کے قریب ہے اور

اگر فی صفحہ سولہ سطریں سمجھی جائیں اور سورہ بقرہ تقریباً تیس چالیس صفحوں میں ہے۔ اگر چالیس صفحے فرض کئے جائیں تو 640 سطریں ہو گئیں لیکن جو شور ابتدا میں ایک سطر سے پڑا تھا وہ چھ سو چالیس سطروں سے نہیں پڑا۔ اسی طرح جب مسائل کثرت کے ساتھ سامنے آنے شروع ہو جاتے ہیں تو کمزور طبیعتیں سستی کی طرف مائل ہو جاتی ہیں کہ کس کو یاد کریں اور کس کو نہ کریں۔ یہ ان کی طبیعت کی کمزوری کی علامت ہوتی ہے۔ ان کو چاہئے کہ وہ جس قدر یاد کر سکیں کر لیں اور جو نہ یاد ہو اسے چھوڑ دیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا[3] یعنی اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ پس جتنی طاقت ہو اتنا ہی یاد کر لیا جائے۔ مگر اس کی بجائے طبائع میں غفلت پیدا ہو جاتی ہے اور لوگ بالکل چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں کہ ہم کچھ بھی نہیں کرتے۔ عربی میں ایک مثل ہے مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتْرَكُ كُلُّهٗ کہ جو چیز ساری حاصل نہیں کی جاسکتی وہ ساری چھوڑی بھی نہیں جاسکتی۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ اخباروں، رسالوں اور کتابوں کی کثرت کی وجہ سے لوگوں میں یہ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ ہم کیا کچھ پڑھیں ہم سے کچھ بھی نہیں پڑھا جاتا اور جو اخبار خریدتے ہیں وہ اسے سنبھال کر نہیں رکھتے۔ مَیں نے تو اپنے اخبار سنبھال کر رکھنے کی دفتر کو سخت تاکید کی ہوئی ہے تاکہ کم از کم دفتر میں تین چار فائل تو ہوں تاکہ ہماری اولاد باری باری ایک دوسرے سے مانگ کر پڑھ سکے۔

آج لوگوں کے نزدیک "الفضل" کوئی قیمتی چیز نہیں۔ مگر وہ دن آرہے ہیں اور وہ زمانہ آنے والا ہے جب الفضل کی ایک جلد کی قیمت کئی ہزار روپیہ ہو گی۔ لیکن کوتہ بین نگاہوں سے یہ بات ابھی پوشیدہ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جو باتیں ہوتی تھیں وہ اس زمانہ کے لوگوں کے نزدیک اتنی اہم نہ تھیں جتنی اہمیت ان کی بعد میں ہوئی۔ بڑے بڑے بادشاہ ایک صحابی یا تابعی یا تبع تابعی کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھتے اور بڑے ادب کے ساتھ پوچھتے کیا آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا؟ یا کیا آپ نے فلاں دیکھنے والے کو دیکھا تھا۔ یا اس کے دیکھنے والے کو دیکھا تھا؟ آپ کا قد کیسا تھا؟ آپ کا جسم کیسا تھا؟ آپ کس طرح چلتے تھے؟ ایک زمانہ وہ تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے آپ کو دکھایا کرتے لیکن لوگ آپ کی طرف

توجہ نہ کرتے۔ یا ایک زمانہ وہ آیا کہ آپ کو دیکھنے والوں کو دیکھنے کے لئے لوگ ہزاروں میل سے دوڑے جاتے تھے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود لوگوں کو باتیں سناتے لیکن لوگ آپ کی باتیں سننے کے لئے تیار نہ ہوتے۔ یا پھر وہ زمانہ آیا کہ بڑے بڑے بادشاہ آپ سے باتیں سننے والوں یا سننے والوں سے باتیں سننے کے لئے جاتے تھے۔ پس لوگوں کو یہ عادت ہے کہ ابتدا میں وہ قیمتی چیز کی قدر نہیں کرتے۔ لیکن جب ترقی کا زمانہ آتا ہے تو پھر بڑی بڑی قیمتیں دے کر خریدتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا ہے کہ پٹھانکوٹ کے ایک دکاندار کے پاس قادیان کے کسی آدمی نے کئی من الفضل ردّی میں بیچ دیا۔ جب وہ شخص جس نے یہ اخبار فروخت کیا تھا پکڑا گیا تو اُس نے بتایا کہ یہ اخبار کئی مَن اس کے پاس پڑا ہے جو اُس نے ردّی میں لوگوں سے خریدا ہے۔ اگر اس بیچنے والے یا اس کے پاس اخبار بیچنے والوں کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیوں پر ایمان ہوتا اور اگر انہیں یقین ہوتا کہ آئندہ زمانہ میں احمدیت کو بڑی بڑی ترقیات ملنے والی ہیں۔ تو وہ اسے ردّی کے بھاؤ نہ بیچتے بلکہ سنبھال کر رکھتے کہ آئندہ اگر ان کی اولاد میں دین کا جوش نہ بھی ہوا اور اس سے انہوں نے فائدہ نہ اٹھایا تو بھی اس کی قیمت ہزاروں ہزار روپیہ پڑنے والی ہے۔ ہم اس وقت اسے فروخت کریں گے۔ اس کے پڑا رہنے سے ہمارا کیا حرج ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ آپ کے تبرکات لوگوں نے ہزاروں ہزار روپے کو مانگنے شروع کر دیئے۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا جس کا نام کعب بن زہیر تھا۔ یہ شخص مسلمانوں کا سخت مخالف اور جانی دشمن تھا۔ اسلام کے خلاف بہت گندے شعر کہتا اور مسلمانوں پر اپنے اشعار میں طرح طرح کے بے ہودہ الزامات لگاتا اور ان کی تشہیر کرتا۔ جب مکہ فتح ہوا تو ایسے خاص الخاص پانچ آدمیوں کے متعلق قتل کا اعلان کیا گیا کہ وہ جہاں پائے جائیں انہیں قتل کر دیا جائے۔ ان میں سے ایک یہ شخص بھی تھا۔ مکہ میں تو وہ رہ نہیں سکتا تھا کیونکہ مکہ فتح ہو چکا تھا اور اس میں اسلام کی حکومت قائم ہو چکی تھی اور ملک کے دوسرے علاقوں کو بھی مسلمان فتح کرتے جا رہے تھے۔ وہ ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ میں مارا مارا پھرتا۔ جب مسلمان اس کے نزدیک پہنچتے تو وہ اگلے قبیلہ

میں چلا جاتا۔ آخر ایک قبیلہ کے لوگوں نے اسے کہا کہ تُو کب تک اس طرح بھاگتا پھرے گا۔ مسلمان تو دریا کی طرح بڑھے آرہے ہیں تُو کہاں تک بھاگتا جائے گا؟ اس نے کہا پھر کیا کروں؟ انہوں نے کہا کہ تُو مدینے جا اور جا کر معافی مانگ۔ اس نے کہا کہ مَیں نے مسلمانوں پر بہت ظلم کئے ہیں اور مَیں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے معاف نہیں کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ کیا یہ تیرے لئے کم سزا ہے کہ قبیلہ قبیلہ میں مارے مارے پھرتا ہے، تُو جہاں جاتا ہے مسلمان وہاں پہنچ جاتے ہیں اور تجھے اگلے قبیلے میں بھاگنا پڑتا ہے، اس ذلت سے موت بہتر ہے۔ آخر اس نے رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی مدح میں ایک قصیدہ کہا اور بھیس بدل کر رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی مجلس میں جا پہنچا اور عرض کی کہ مَیں کچھ شعر سنانا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا سناؤ۔ اس نے شعر سنانے شروع کئے۔ جیسا کہ عرب کے شعراء کا طریق تھا کہ پہلے وہ اپنی معشوقہ کا ذکر کرتے تھے، پھر اس کے بعد اونٹنی کا ذکر کرتے اور پھر اونٹنی کے ذکر کے بعد اپنے مطلب کی طرف آتے۔ اسی طرح اس نے اپنے قصیدہ کو شروع کیا۔ پہلے تو آہستہ آہستہ شعر سنانے شروع کئے تا کہ کوئی شخص اس کی آواز نہ پہچان لے۔ ہوتے ہوتے اس کی بناوٹی آواز جاتی رہی اور اصل آواز ظاہر ہو گئی۔ لوگوں نے اس کی آواز پہچان لی لیکن رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے ادب کی وجہ سے خاموش رہے۔ اسی حالت میں اس نے یہ شعر کہا۔

نُبِّئْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوْعَدَنِیْ　　وَ الْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ مَاْمُوْلُ

جس کا مفہوم یہ تھا کہ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ تمہارے لئے محمد رسول اللہ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم) نے قتل کا حکم دے دیا ہے۔ مگر مَیں نے انہیں جواب دیا کہ مجھے تم یہ تو بتاؤ کہ دنیا میں کوئی شخص محمد رسول اللہ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم) جیسا معاف کرنے والا ہے۔ جب اس نے یہ شعر پڑھا تو انصاری لوگوں نے اسے پہچان لیا اور اپنی تلواریں میانوں سے نکال لیں لیکن رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے ادب کی وجہ سے کچھ کر نہ سکتے تھے اور منتظر تھے کہ آپ اشارہ کریں تو اس کا سر کاٹ دیں۔ مگر رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اس کے شعر سنتے رہے۔ اس نے کچھ شعر اسلام کی تعریف میں سنائے اور کچھ شعر قرآن کی تعریف میں۔ جب اس نے یہ شعر پڑھا کہ:

مَهْلًا هَدَاكَ الَّذِیْ اَعْطَاكَ نَافِلَةَ　　الْقُرْاٰنَ فِیْهَا مَوَاعِیْظُ وَ تَفْصِیْلُ

تو آپ نے اپنی چادر اُتار کر اس پر ڈال دی۔ پچھلے زمانے میں یہ دستور تھا کہ بادشاہ جسے معاف کرتے اس پر اپنی چادر ڈال دیتے تھے۔ جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا تھا کہ ہم نے اسے معاف کر دیا ہے اور اب یہ شخص ہماری پناہ میں ہے۔ اسی دستور کے مطابق رسول کریم ﷺ نے اپنی چادر اس پر ڈال دی۔ جب صحابہؓ نے یہ نظارہ دیکھا تو انہوں نے اپنی تلواریں میانوں میں رکھ لیں اور خاموشی کے ساتھ بیٹھ گئے۔ یہ قصیدہ آج تک قصیدہ بُردہ کہلاتا ہے۔ یعنی وہ قصیدہ جس کے پڑھنے پر رسول کریم ﷺ نے اسے چادر عطا فرمائی تھی۔ یہ شخص رسول کریم ﷺ کے بعد کچھ عرصہ زندہ رہا۔ حضرت معاویہؓ نے اسے اس چادر کے لئے بیس ہزار دینار پیش کئے لیکن اس نے دینے سے انکار کیا۔**4** حضرت معاویہؓ رسول کریم ﷺ کے سالے تھے اور ایک مدت تک رسول کریم ﷺ کے گھر میں بھی رہے۔ اور ان کے لئے موقع تھا کہ وہ جتنے تبرکات چاہتے جمع کر لیتے کیونکہ ان کی بہن اُمّ حبیبہؓ رسول کریم ﷺ کے گھر میں تھیں اور وہ اکثر اپنی بہن کے پاس آتے جاتے بلکہ اپنی بہن کے پاس رہتے بھی تھے۔

اُمّ حبیبہؓ اور حضرت معاویہؓ کی عمر میں کافی فرق تھا۔ اُمّ حبیبہؓ حضرت معاویہؓ سے عمر میں کافی بڑی تھیں۔ ایک دن رسول کریم ﷺ گھر میں داخل ہوئے تو حضرت اُمّ حبیبہؓ حضرت معاویہؓ کو گود میں لِٹا کر پیار کر رہی تھیں۔ رسول کریم ﷺ سے شرمانے کی وجہ سے حضرت معاویہؓ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ رسول کریم ﷺ نے اُمِّ حبیبہؓ سے پوچھا۔ کیا یہ تمہیں پیارا ہے؟ حضرت اُمّ حبیبہؓ نے جواب دیا ہاں یَا رَسُوْلَ اللہ! مجھے پیارا ہے۔ بھائی جو ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تمہیں پیارا ہے تو ہمیں بھی پیارا ہے۔ حضرت معاویہؓ کے لئے اتنا موقع تھا تبرکات کے جمع کرنے کا۔ اور ضرور انہوں نے تبرکات جمع کئے ہوں گے مگر پھر بھی حضرت معاویہؓ نے اس شخص کو بیس ہزار دینار پیش کئے کہ یہ چادر تم مجھے دے دو۔ لیکن اس نے جواب دیا کہ مَیں تبرک کی قیمت نہیں ڈالوں گا۔ بیس ہزار دینار قریباً ایک لاکھ روپیہ بنتا ہے اور یہ رقم وہ شخص دے رہا تھا جو رسول کریم ﷺ کے گھر میں رہتا تھا۔ یہ رقم وہ شخص دے رہا تھا جس کے پاس رسول کریم ﷺ کے بہت سے تبرکات ہوں گے۔ یہ رقم وہ شخص دے رہا تھا جس کو رسول کریم ﷺ کے دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ رقم وہ شخص دے رہا تھا جو آپ کا قریبی رشتہ دار تھا۔

پس ابتداء میں بعض چیزوں کی قیمت و قدر لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہوتی ہے لیکن بعد میں جب ان چیزوں کی حقیقت لوگوں پر واضح ہو جاتی ہے تو وہ لاکھوں بلکہ کروڑوں روپیہ صَرف کر کے اس چیز کو حاصل کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

پس آج "الفضل" لوگوں کی نظر میں وہ اہمیت نہیں رکھتا جو آئندہ اس کو حاصل ہونے والی ہے۔ پس اس بارہ میں پھر یہاں کی جماعتوں کو اور دوسرے صوبوں کی جماعتوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اخبار کا خریدنا ہر جماعت اور ہر مستطیع کے لئے ضروری ہے۔ جو ایسا کرتا ہے حَبْلُ اللّٰہ کو پکڑنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ جو ایسا نہیں کرتا اس کا ہاتھ حَبْلُ اللّٰہ سے جدا ہو جاتا ہے اور اس کے تباہ ہونے کا خطرہ ہے۔ جو لوگ اخبار منگوائیں انہیں مَیں نے کئی بار یہ ہدایت دی ہے کہ جمعہ کے دن "الفضل" سے میرا خطبہ پڑھ کر سنایا جائے تا کہ جماعت کو علم ہوتا رہے کہ ان کا امام ان سے کیا مطالبہ کرتا ہے۔ مَیں نہیں جانتا کہ اس پر کس حد تک عمل ہو رہا ہے۔

اس کے بعد اسی سلسلہ میں مَیں تبلیغ کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ پچھلے سال بھی مَیں نے جماعت کو تبلیغ کی طرف توجہ دلائی تھی۔ چنانچہ اس سال کنری میں جلسہ بھی ہوا ہے اور اس جلسہ کے نتیجہ میں کچھ سندھی آدمیوں نے بیعت بھی کی۔ لیکن ابھی بہت بڑا کام باقی ہے اور ایک بہت بڑی خلیج ہے جو ہمارے اور سندھیوں کے درمیان حائل ہے۔ اس خلیج کو دور کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اس وقت مسجد میں سوڈیڑھ سو کے قریب آدمی ہوں گے لیکن ان میں سے سندھی کتنے ہیں؟ صرف پانچ چھ ہوں گے۔ ممکن ہے ایک دو اس سے زیادہ ہوں۔ مگر کیا پانچ چھ فیصدی ہونے کے یہ معنے ہیں کہ ہم نے اپنے فرض کو ادا کر دیا ہے؟ نہیں۔ بلکہ یہ تعداد صاف طور پر بتاتی ہے کہ ہم اس فرض کے ادا کرنے میں ابھی بہت پیچھے ہیں۔ اس وقت چاہئے یہ تھا کہ 150 میں سے 130 یا 140 سندھی ہوتے اور دس پندرہ پنجابی ہوتے۔ اگر یہ حالت ہو جائے کہ ہمارے جلسہ یا جمعہ میں 100 میں سے 95 سندھی ہوں اور پانچ دوسرے آدمی ہوں اور 1000 میں سے 950 سندھی ہوں اور پچاس دوسرے آدمی ہوں۔ اور 10000 میں سے 9500 سندھی ہوں اور 500 پنجابی یا دوسرے آدمی ہوں تو ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ ہمارا قدم اب ترقی کی طرف اٹھ رہا ہے۔ کیونکہ جب سندھ میں کوئی غیر احمدی مولوی

لیکچر دے گا تو سننے والے زیادہ سندھی ہوں گے نہ کہ پنجابی۔ اسی طرح ہم جب کوئی لیکچر وغیرہ دیں تو یہ بات ضروری ہے کہ ہمارے لیکچر میں بھی سندھی زیادہ ہوں۔ اور یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ ہم ان کو اپنے قریب کرنے کی کوشش کریں۔ ان کے نہ سننے کی وجہ یہی ہے کہ ان کو احمدیت سے واقفیت نہیں ہے۔ اگر ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسلام کی خستہ حالی کا علاج اب صرف احمدیت ہی ہے اور یہ تمام بلائیں جو روز بروز مسلمانوں پر وارد ہو رہی ہیں ان کا واحد علاج احمدیت ہی ہے تو وہ یقیناً احمدیت کی باتیں بڑے شوق سے سنیں گے۔ سندھ میں پچاسی فیصدی آبادی مسلمانوں کی ہے لیکن حکومت میں زیادہ ہاتھ ہندوؤں کا ہے۔ مسلمانوں میں سے سات مسلمان ہندوؤں کے ساتھ جا ملے ہیں اور مسلمان حکومت ایک تمسخر بنی ہوئی ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں میں اتحاد قائم نہیں رہا ہے اور اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے غیروں کے ہاتھوں میں ایک کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں۔ یہی حال پنجاب میں ہے۔ مسلم لیگ کے پچھتّر نمائندے تھے اور اب تو اسّی ہو گئے ہیں لیکن باوجود اسّی نمائندے ہونے کے مسلمانوں کو کچھ مل نہیں رہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے سات آٹھ نمائندے ہندوؤں کے ساتھ جا ملے اور ان سے مل کر گورنمنٹ بنالی۔ یہ تمام حالات اس وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں کہ مسلمانوں میں اتحاد نہیں رہا اور اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے طاقت اور جتھا سے محروم ہو گئے ہیں۔ اگر مسلمانوں کی طاقت اور جتھا ہوتا تو کیا مجال تھی کہ کوئی شخص ان کی بات کو ردّ کرتا۔ مسلمانوں میں اس وقت یہ بہت بڑا مرض پیدا ہو گیا ہے کہ ہر شخص اپنے ذاتی تعلقات کو قومی مفاد سے مقدم رکھتا ہے اور اس بات کو نظر انداز کر دیتا ہے کہ اس کے اس فعل سے اسلام اور مسلمانوں پر کیا کیا مصیبت آتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کو نہایت ہی حقیر چیزوں کے بدلے بیچا جا رہا ہے۔ کوئی شخص چند روپوں کی خاطر اللہ تعالیٰ کو بیچ رہا ہے، کوئی شخص آٹے کی خاطر اللہ تعالیٰ کو بیچ رہا ہے، کوئی شخص ایک لحاف کی خاطر خدا کو بیچ رہا ہے، کوئی شخص ایک چادر کی خاطر اللہ تعالیٰ کو بیچ رہا ہے، کوئی شخص چاولوں کی ایک مٹھی کے پیچھے خدا کو بیچ رہا ہے اور کوئی شخص زمین کے لئے خدا کو بیچ رہا ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے غضب سے کوئی خائف نہیں ہوتا بلکہ اس

کے احکام کی بے حرمتی کرتے ہوئے اپنے ذاتی مفاد کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہر شخص اسی نظریہ کا قائل نظر آتا ہے کہ مجھے قومی مفاد سے کیا غرض ہے میرے لئے اپنی دوستیاں ہی کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے رسول کی ناراضگی سے میرا کیا بگڑ سکتا ہے کیونکہ دنیاوی طاقت جس کا نام حکومت رکھا جاتا ہے وہ میرے ساتھ ہے۔ مسلمانوں میں یک جہتی نہ ہونے کی وجہ سے دن بدن زیادہ اختلافات رونما ہوتے جاتے ہیں۔ ایک مولوی کی رائے کے خلاف اگر مسلمان لیڈر کوئی بات کریں تو مولوی صاحب اس جماعت سے علیحدہ ہو جاتے اور ہزاروں ہزار آدمی اپنے ساتھ ملا کر ایک نئی پارٹی کھڑی کر دیتے ہیں۔ اگر کسی لیڈر کی رائے کے خلاف اکثریت کوئی فیصلہ کر دے تو وہ لیڈر ایک اور جماعت کھڑی کر دیتا ہے اور اسی وجہ سے مسلمانوں کا رُعب دن بدن اٹھتا جا رہا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ہماری جماعت میں ایسے لوگوں کی آواز کا کوئی اثر نہیں۔ جب بھی کوئی بات پیدا ہوتی ہے تو وہ فوراً ننگے ہو جاتے ہیں اور ان کا فتنہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ کبھی نہ کبھی تمہاری جماعت میں بھی کوئی فتنہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ لیکن مَیں ان اعتراض کرنے والوں پر یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ فتنہ کا ظاہر ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ فتنہ پیدا کرنے والے اپنے آپ کو پوشیدہ نہیں رکھ سکے اور ننگے ہو گئے ہیں۔ وہ فتنہ جو اندر ہی اندر کام کرتا رہے وہ زیادہ خطرناک ہوتا ہے اس فتنہ سے جو ظاہر ہو جائے۔

پس ان فتنوں کا ظاہر ہو جانا بھی ہمارے لئے مفید ہے۔ ان سے ہمارا کوئی نقصان نہیں۔ دوسرے مسلمانوں میں جب کوئی فتنہ کھڑا ہوتا ہے تو وہ مسلمانوں کو اپنے ساتھ بہا لے جاتا ہے۔ جَمعیۃُ الْعُلَمَاء والے اختلاف پیدا ہونے کی وجہ سے کانگرس کے ساتھ مل گئے اور ایک بہت بڑی تعداد مسلمانوں کی اپنے ساتھ مسلم لیگ سے نکال کر لے گئے۔ لیکن ہماری جماعت سے جب کوئی مولوی نکلتا ہے تو اکیلا ہی کُگڑوں کُوں کر کے نکل جاتا ہے اور جماعت میں کوئی فتنہ پیدا نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری جماعت میں بیداری ہے اور وہ سمجھتی ہے کہ مولوی ہو گا تو اپنے گھر ہو گا ہمارا اب اس سے کیا تعلق۔ افریقہ سے شیخ مبارک احمد صاحب کا خط آیا ہے جسے پڑھ کر مجھے بے انتہاء خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت کو ایمان

کے کیسے اعلیٰ مقام پر کھڑا کیا ہے۔ شیخ مبارک احمد نے مجھے لکھا ہے کہ اس علاقہ میں بعض وحشی قبیلہ کے لوگ احمدی ہوئے تھے۔ مَیں چار پانچ ماہ کے لئے باہر دَورہ پر گیا ہوُا تھا۔ میرے بعد بعض رئیسوں نے یہ سمجھ کر کہ مَیں باہر دورہ پر ہوں۔ ان حبشیوں کو مرتد کرنا چاہا۔ وہ ان کے پاس گئے اور ان سے کہا دیکھو! فلاں رئیس مرتد ہو گیا ہے، فلاں بڑا آدمی مرتد ہو گیا ہے، تم بھی ہمارے ساتھ مل جاؤ۔ سب بااثر اور بارسوخ لوگ ہمارے ساتھ ہیں۔ لیکن انہوں نے جو جواب دیا وہ پڑھ کر مجھے حیرت آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کیسا پختہ ایمان عطا کیا ہے۔ وہ نہ کبھی قادیان آئے اور نہ انہوں نے ہماری کتابیں پڑھیں لیکن جو جواب انہوں نے ان رئیسوں کو دیا۔ اس سے ان کے ایمان کا پتہ لگتا ہے۔ انہوں نے کہا ہمیں احمدیت کا پتہ مولوی مبارک احمد صاحب سے لگا ہے۔ لیکن اگر مولوی مبارک احمد صاحب بھی احمدیت سے مرتد ہو جائیں تو ہم ان کی پروا نہیں کریں گے۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ احمدیوں میں کمزور آدمی نہیں ہیں۔ احمدیوں میں بھی کمزور تو ہیں لیکن آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ ہم پِسے ہوئے آٹے کی روٹی کھاتے ہیں لیکن کبھی کبھار آٹے میں سے گندم کا دانہ نکل آتا ہے۔ اس پر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ آٹا خراب ہے۔ اسی طرح ہم میں بھی بعض کمزور انسان ہیں لیکن ان کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ مجھے شیخ مبارک احمد صاحب کی تحریر پڑھ کر وَجد آ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان میں کس قدر زبردست طاقت رکھی ہے۔

پس احمدیت ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے مسلمانوں میں حقیقی اتحاد قائم ہو سکتا ہے اور مسلمان تمام مصائب سے نجات پا سکتے ہیں۔ یہ کس قدر ظلم کی بات ہو گی کہ ہم مسلمانوں کی اس خستہ حالی کو دیکھ کر ان کے علاج کی کوشش نہ کریں۔ اور ہم اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو نہیں سکتے جب تک کہ ہم منظم طور پر تبلیغ کے لئے جدوجہد نہیں کرتے۔ اس علاقہ میں ہمارے ایک یا دو یا چار مبلغ کیا کام کر سکتے ہیں۔ اور پھر سندھیوں کا خود تبلیغ کرنا ہمارے پنجابی مبلغوں سے بہت زیادہ موثر ہو سکتا ہے۔ مَیں نے پہلے بھی کہا تھا کہ ہر علاقہ کے لوگوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے کچھ آدمی قادیان بھجوائیں۔ وہ وہاں سے تعلیم حاصل کر کے پھر واپس جا کر اپنے اپنے علاقوں میں تبلیغ کریں۔ اگر سندھی طلباء قادیان آئیں اور وہاں سال دو سال رہ کر

دینی تعلیم حاصل کریں اور پھر واپس آ کر سندھ میں تبلیغ کریں تو یہ طریق زیادہ موثر ہو سکتا ہے۔ ہمارے پنجابی مبلغ کے لئے سب سے بڑی دقّت یہ ہو گی کہ وہ زبان نہیں جانتا ہو گا۔ اور اگر وہ سیکھ بھی لے تو اس کا لہجہ سندھیوں سے بالکل جداگانہ ہو گا۔ پنجابی اردو بھی بولے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ پنجابی بول رہا ہے۔ ہمارا پنجابی خواہ کتنی ہی عربی پڑھ لے لیکن جب وہ عربی بولے گا تو یوں معلوم ہو گا کہ گویا وہ پنجابی بول رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بولنے کا دارومدار لہجہ پر ہے۔ مصر کے ایک احمدی دوست قادیان آئے۔ وہ تاجر ہیں، کوئی بڑے عالم نہیں ہیں۔ ان کے اعزاز میں ایک جلسہ ہوا جس میں ہمارے مبلغین نے عربی میں تقریریں کیں۔ کسی دوست نے ان سے کہا دیکھو! ہمارے عالموں نے بھی عربی میں تقریریں کیں تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ پنجابی بول رہے ہیں۔ میرا یہ اپنا تجربہ ہے کہ لہجہ کے بدل جانے سے زبان کا سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ انگلستان جاتے ہوئے ہم عدن میں اُترے۔ وہاں مَیں نے ایک عرب دکاندار سے عربی میں کھجوروں کا بھاؤ دریافت کیا۔ اس نے جو جواب دیا مَیں اسے سمجھ نہ سکا۔ مَیں نے دوبارہ یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ میری بات سمجھا نہیں پھر اس سے وہی سوال کیا۔ اس نے پھر مجھے وہی جواب دیا۔ مَیں پھر اس کی بات نہ سمجھ سکا۔ اسی طرح دو چار دفعہ ہم میں سوال و جواب ہوا۔ حافظ روشن علی صاحب مرحوم میرے پاس ہی کھڑے تھے۔ وہ اس سوال و جواب کو سن کر بے اختیار ہنسنے لگے۔ مَیں نے حافظ صاحب سے پوچھا کہ آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ آپ عربی بول رہے ہیں اور وہ سمجھتا ہے کہ آپ پنجابی بول رہے ہیں اور صرف اندازہ لگا کر جواب اردو میں دے رہا ہے۔ لیکن آپ اس کے لہجہ کی وجہ سے سمجھ رہے ہیں کہ وہ عربی بول رہا ہے۔ لیکن ایسی خراب زبان بول رہا ہے کہ آپ اسے سمجھ نہیں سکتے حالانکہ وہ عربی نہیں اردو میں جواب دے رہا ہے۔ پس لہجوں کا فرق بہت بڑا فرق ہے۔ ایک سندھی جب سندھی زبان بولے گا تو وہ سندھی ہی ہو گی لیکن ایک پنجابی جب سندھی زبان بولے گا تو وہ سندھی پنجابی معلوم ہو گی۔ پس اگر ان لوگوں میں تبلیغ کی جائے تو میرا خیال ہے کہ بہت جلد وہ احمدیت کی طرف متوجہ ہوں گے۔ کیونکہ یہ لوگ مذہبی جذبات رکھتے ہیں۔ خصوصاً گاؤں کے لوگوں کے جذبات تو بالکل مذہبی ہیں۔

حُروں نے جو قربانی مذہبی جذبات کے ماتحت کی ہے وہ کسی اَور صوبہ کے لوگوں میں نظر نہیں آتی۔ ان کی عورتوں اور ان کے مردوں نے ایک شاندار قربانی کا مظاہرہ کیا۔ اگر یہ لوگ احمدیت قبول کرلیں تو وہ اس سے بڑھ کر قربانی کا نمونہ دکھا سکتے ہیں۔ پس سندھیوں میں تبلیغ کرنے کے لئے یہ بہت ضروری بات ہے کہ ہر سال کچھ سندھی طالب علم قادیان جائیں اور سال دو سال کی تعلیم کے بعد واپس آکر سندھیوں میں تبلیغ کریں۔ اس وسیع علاقے میں جس کی آبادی ساٹھ ستّر لاکھ ہے اور جس کے سات ضلعے ہیں ہمارے ایک یا دو مبلغ کیا کرسکتے ہیں۔ اس کی مثال تو ایسی ہی ہے کہ کوئی شخص دریا کو روکنے کے لئے اس کے دہانہ میں گندم کا دانہ رکھ دے اور سمجھ لے کہ دریا رُک جائے گا۔ ایسا کرنے والے کو سب لوگ بے وقوف خیال کریں گے۔ اگر دریا کو روکنا ہو تو اس کے مطابق انتظامات کرنے پڑتے ہیں۔ ہم نے قادیان کے اِرد گرد تھوڑے سے علاقہ میں پندرہ بیس مبلغ رکھے ہیں مگر پھر بھی وہ تھوڑے معلوم ہوتے ہیں۔ پس اگر ہم سندھ میں موثر طور پر تبلیغ کرنا چاہتے ہیں تو اس کا یہی ذریعہ ہے کہ ہر سال کچھ طالب علم قادیان جائیں اور ان کو ضروری مسائل سکھا کر یہاں مقرر کر دیا جائے۔ اور اگر کسی بڑے مولوی سے ٹکر ہو جائے تو اس کا مقابلہ کرنے کے لئے مولوی غلام احمد صاحب کو یا اور جو مبلغ یہاں ہو اسے بُلا لیا جائے۔ تبلیغ کے لئے اس بات کی ضرورت نہیں کہ انسان بہت بڑا عالم ہو بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان کے اندر تبلیغ کے لئے جوش ہو۔ صرف پڑھائی کچھ کام نہیں آتی جب تک کہ اس کا استعمال نہ ہو۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ زراعت کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والوں سے بسا اوقات معمولی معمولی زمیندار بعض باتوں میں زیادہ علم رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ دن رات کام کرنے کی وجہ سے ان کا تجربہ صرف کتابی علم رکھنے والوں سے بعض باتوں میں بڑھ جاتا ہے۔

ہمارے ایک احمدی دوست جن کا نام شیر محمد تھا اور وہ بنگہ کے رہنے والے تھے یکّہ چلایا کرتے تھے۔ وہ بالکل اَن پڑھ تھے لیکن ان کے ذریعہ اتنے احمدی ہوئے کہ کئی مبلغ بھی ان سے پیچھے ہیں۔ اس وقت سلسلہ کا اخبار الحکم ہی تھا اور ہفتہ وار نکلتا تھا۔ باوجود اس کے کہ وہ پڑھے لکھے نہ تھے لیکن الحکم باقاعدہ منگواتے تھے۔ اخبار پاس رکھتے۔ جب یکہ چلاتے تو یکّہ میں

بیٹھنے والوں سے پوچھ لیتے کہ آپ میں سے کوئی پڑھا ہوا ہے؟ جو شخص کہتا کہ مَیں پڑھا ہوا ہوں اسے اخبار دیتے اور کہتے یہ پرچہ میرے نام آیا ہے ذرا پڑھ کر سنا دیں کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ یکّے میں انسان کو دھکّے لگتے ہیں اور ہر ایک سواری دوسری سواری سے اجنبی ہوتی ہے۔ گھر سے باہر ہونے کی وجہ سے طبیعت اداس ہوتی ہے۔ اگر ایسی حالت میں اخبار مل جائے تو طبیعت بہل جاتی ہے۔ پس ہر شخص اس بات پر راضی ہو جاتا۔ وہ ٹائیٹل پیج سے شروع کراتے اور آخر تک پڑھوا کر چھوڑتے۔ درمیان میں خود ہی سوال کرتے چلے جاتے کہ یہ بات کس طرح لکھی ہے؟ پڑھنے والا پھر اسے دوبارہ پڑھتا۔ وہ ایک ایک بات پر سوال کر کے اسی طرح بار بار دہرواتے کہ مسئلہ سننے والوں کے ذہن نشین ہو جاتا۔ اور جب سواریاں ٹانگہ سے اترتیں تو بعض ان میں سے اسی وقت کہہ دیتیں کہ میرا ابھی بیعت کا خط لکھوا دیں۔ اور بعض پیج لے کر چلے جاتے اور بعد میں خود تحقیق کر کے احمدی ہو جاتے۔ جب ان کی مجھ سے ملاقات ہوئی تھی اس وقت تک پندرہ بیس آدمی ان کے ذریعہ احمدی ہو چکے تھے اور اس کے بعد وہ پندرہ بیس سال تک زندہ رہے اور اس عرصہ میں بھی کئی آدمی ان کے ذریعہ احمدی ہوئے۔ اور پھر ان کے ذریعہ سے آگے احمدیت پھیلی۔ اگر کوئی آدمی کام کرنا چاہے تو اس کے لئے تعلیم کی کمی روک نہیں ہو سکتی۔

پس ہماری جماعت کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے ہم پر ایک بہت بڑی ذمہ داری ڈالی ہے۔ اس لئے اس اپنے مقصد کو ہر وقت مدنظر رکھنا چاہیئے اور اس کا تمام تر انہماک دنیاوی مشاغل میں ہی نہیں ہونا چاہیئے کہ دین کی خدمت کے لئے کوئی وقت نہ بچے۔ جس طرح زمیندار کو کوئی کام کرنے کے لئے کہا جائے تو وہ کہہ دیتا ہے کہ مجھے تو مرنے کی بھی فرصت نہیں لیکن جس دن اس کی بیوی یا اس کا بیٹا بیمار ہو جائے تو اسے ان کے علاج معالجہ کے لئے فرصت مل جاتی ہے۔ جس طرح اپنے مال سے ہر احمدی پر چندہ دینا فرض ہے اسی طرح اس پر یہ بھی فرض ہے کہ وہ وقت کا بھی چندہ دے، اپنے اخلاق کا بھی چندہ دے، اپنے علم کا بھی چندہ دے اور ہر قسم کی بد دیانتی، بے ایمانی اور جھوٹ سے اجتناب کرے۔ جو شخص ان چیزوں سے اجتناب نہیں کرتا اس کا مالی چندہ دینا اسے کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ اس زمانہ میں

جھوٹ اس قدر عام ہو گیا ہے کہ اس کی تعریف ہی بدل گئی ہے۔ ایک آدمی جھوٹ بولتا ہے مگر سمجھتا یہ ہے کہ وہ سچ بول رہا ہے۔ اسی الیکشن کے سلسلہ میں ایک صاحب مجھے ملنے کے لئے آئے۔ ان کے ساتھ ہمارے وہاں کے امیر جماعت بھی تھے۔ انہوں نے اپنی تعریف شروع کی کہ مَیں بہت راست باز ہوں۔ آپ کے امیر صاحب مجھے اچھی طرح جانتے ہیں کہ مَیں جو وعدہ کرتا ہوں اسے پورا کرتا ہوں۔ مجھے احمدیوں کے ووٹوں کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔ امیر صاحب سے میرے تعلقات ہیں۔ مَیں نے امیر صاحب سے کہا کہ آپ لوگوں سے میرے تعلقات ہیں اس لئے آپ لوگ مجھے ہی ووٹ دیں۔ پھر انہوں نے کہنا شروع کیا کہ مَیں نے مسلم لیگ کو آپ سے وابستہ کرنے کے لئے بہت کوشش کی ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مسلم لیگ کے ایک بڑے لیڈر سے ملا اور ان سے کہا کہ آپ احمدیوں کو خوش کریں ورنہ ہمارا جیتنا محال ہے۔ اور مَیں نے کہا کہ میرے حلقہ میں 1327 ووٹ احمدیوں کے ہیں۔ اگر وہ ووٹ مجھے نہ ملیں تو مَیں جیت نہیں سکتا اس لئے آپ لوگ احمدیوں کو خوش کریں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مَیں نہیں جانتا کہ احمدیوں کے ووٹ میرے علاقہ میں ایک ہے یا دو ہیں یا دس ہیں یا بیس ہیں لیکن مَیں نے 1327 اس لئے بتائے کہ ان پر رُعب پڑے اور تیرہ سو کے اوپر 27 کا عدد اس لئے بڑھایا کہ انہیں یقین ہو جائے کہ یہ گِن کر آیا ہے یونہی اندازہ سے نہیں بتا رہا۔ اب دیکھئے کہ وہ اسی مجلس میں اپنے سچا ہونے کا دعویٰ کر رہے تھے اور اسی مجلس میں اپنا جھوٹ بیان کر رہے تھے لیکن ہماری جماعت کی یہ حالت نہیں ہونی چاہئے بلکہ ہماری حالت ایسی ہونی چاہئے کہ دوسرے لوگ ہمارے نمونہ سے متأثر ہوں۔ مومن کے لئے سچ بہت پیاری چیز ہے اور وہ اس کو کسی حالت میں چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتا۔ اگر ہماری جماعت سختی کے ساتھ سچ پر کاربند ہو جائے تو ساری تبلیغ خود بخود ہو جاتی ہے۔ جب لوگ دیکھیں گے کہ یہ لوگ دنیاوی معاملات میں سچ بولتے ہیں تو سمجھیں گے کہ دینی معاملات میں بھی سچ ہی بولتے ہوں گے۔ پس ہماری جماعت کو تبلیغ کے تمام ذرائع کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے احمدیت کی ترقی کے ذرائع پیدا کر دیئے ہیں اور دن بدن زیادہ پیدا کرتا جا رہا ہے اور دنیا میں ایک تزلزل پیدا ہو چکا ہے۔ اس وقت موقع ہے کہ اسلام پھر اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے۔ پس دوستوں کو تبلیغ کی طرف

خاص طور پر توجہ کرنی چاہئے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کی تمام کمزوریوں کا سدّباب کرکے اسلام اور احمدیت کے پھیلانے کے سامان پیدا کرے۔" (الفضل 28مارچ 1946ء)

1: آل عمران: 104

2: آل عمران: 105

3: البقرة: 287

4: سیرت ابن ہشام جلد 4 صفحہ 144 تا 158 مطبوعہ مصر 1936ء و تاریخ ابن اثیر جلد 2 صفحہ 274 تا 276 مطبوعہ بیروت 1965ء